قسط ۵

پروفیسر محمد اسلم صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

اولیاء کرام اور سلاطین اسلام کی مرثیہ خواں

دہلی کا تازہ سفر نامہ

اسلام کی عظمت رفتہ کے کھنڈرات

نواب مرتضیٰ خان فرید بخاری کا شمار اکبر اور جہانگیر کے نامور امراء میں ہوتا ہے۔ اکبر نے ان کی خدمات جلیلہ سے خوش ہو کر انہیں "فرزند" کا خطاب عطا کیا تھا اور جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد انہیں مرتضیٰ خان کا خطاب دیا تھا۔

نواب موصوف کا تعلق امراء کے اس گروہ کے ساتھ تھا جنہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ "جگر گوشہ مردان دولت اسلام" کے نام سے یاد فرماتے ہیں مکتوبات امام ربانی میں نواب مرتضیٰ خان کے نام دو درجن کے قریب گرامی نامے موجود ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مجموعہ "المکاتیب والرسائل" میں ان کے نام متعدد خط محفوظ ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ کے مکتوبات میں بھی نواب موصوف کے نام ایک سے زائد خط موجود ہیں۔

نواب مرتضیٰ خان اس گروہ امراء کے سرخیل تھے جو اسلامی نظام حکومت کا حامی تھا۔ اور نفاذ شریعت کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب مرغوب میں نواب صاحب کو لکھتے ہیں کہ احیائے دین کی تحریک ان ہی کے دم قدم سے چل رہی ہے۔ حضرت امام ربانیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی اپنی مثال تو اس بڑھیا کی سی ہے جو سوت کی ایک انٹی لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں میں شامل ہو گئی تھی حضرت مجدد رحمۃ اللہ کی اس تحریر سے نواب موصوف کا مقام متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

نواب مرتضیٰ خان کی قبر شیخ محمد اکرم مرحوم، صاحب "رود کوثر" نے دہلی میں دیکھی تھی۔ اور ان کے لوح مزار کا کتبہ بھی نقل کیا تھا۔ میں گذشتہ سولہ برسوں سے اس قبر کی تلاش میں تھا لیکن سڑکوں کے نام بدل جانے اور نئی نئی آبادیاں بن جانے سے ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ دہلی کے بڑے بوڑھے بھی ان کے مزار کی نشاندہی نہ کر سکے۔ بلکہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔ مفتی ضیاء الحق اور مولانا شاہ زید ابو الحسن نے تو مجھے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ اب ان کی قبر مٹ چکی ہو گی اور اس کے گرد لوہے کے جس جنگلے کی نشاندہی شیخ محمد اکرم نے کی تھی اُسے کسی کباڑیئے نے اکھاڑ کر فروخت کر دیا ہو گا۔ اس لئے اس قبر کی موجودگی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے۔

میں ایک روز مفتی ضیاء الحق صاحب کے پاس مدرسہ رحیمیہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ فرید آباد کے خطیب اُن سے ملنے

آئے۔ مفتی صاحب نے میرا ان سے یہ کہتے ہوئے تعارف کرایا کہ مجھے بھی ان کی طرح پرانے مقبرے اور تاریخی مقامات دیکھنے کا شوق ہے۔ خطیب صاحب اس پر بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ابھی حال ہی میں انہوں نے نواب مرتضیٰ خان کی قبر دیکھی ہے۔ ان کی بات سن کر میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا اور ان سے کہا کہ میں تو سولہ برسوں سے اس کی تلاش میں ہوں۔ لیکن اس کا اتہ پتہ نہیں ملتا۔ خطیب صاحب نے فرمایا کہ ان کی مسجد کے اندر ایک قبر ہے جسے وہ نواب صاحب کی قبر سمجھتے رہے[1]

گذشتہ دنوں کراچی سے ہاشمی مطلبی فریدآبادی کے ایک عزیز فریدآباد آئے تو انہوں نے ان سے اس کی تصدیق کرنا چاہی تو انہوں نے بتایا کہ یہ قبر نواب مرتضیٰ خان کی نہیں ہے۔ ان کی قبر تو مالویہ نگر میں ہے ان کی نشان دہی پر خطیب صاحب نے مالویہ نگر جاکر قبر تلاش کرلی۔

میرے استفسار پر خطیب صاحب نے فرمایا کہ میں کسی دن لال قلعہ سے مالویہ نگر جانے والی ۵۰۳ نمبر بس میں سوار ہوجاؤں۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ بعد یہ بس مالویہ نگر پہنچے گی۔ میں کنڈکٹر کو بتادوں کہ وہ مجھے بیگم پور کے بس سٹاپ پر اتار دے۔ بس سے اتر کر ایک چھوٹی سی بستی "سراوڑی" کا پتہ پوچھوں۔ اس بستی میں چوہدری دلیپ سنگھ کا ٹیوب ویل ہے اور اسی کے قریب ہی کھنڈروں میں نواب صاحب کی قبر ہے۔ اس پر کتبہ نصب ہے اور لوہے کا جنگلہ بھی موجود ہے۔

میں اگلے روز چوہدری دلیپ سنگھ کے ٹیوب ویل پر پہنچ گیا۔ وہاں دو تین بوڑھیاں بیٹھی تھیں۔ میں نے ان سے نواب مرتضیٰ خان کی قبر کا پتہ پوچھا تو وہ حیرت سے میرا منہ تکنے لگیں۔ میں نے قبر کی بجائے مزار اور پھر مقبرے کا نام لیا لیکن وہ خاموش رہیں۔ میں نے تنگ آکر ان سے پوچھا کہ یہاں کسی مسلمان کی سمادھی ہے؟ اس پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک کھنڈر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ اس کے پار وہ سمادھی موجود ہے۔ وہاں سے کھنڈر کا فاصلہ سو گز کے قریب تھا اور موسم برسات میں خودرو جھاڑیوں نے وہاں تک پہنچنے کا راستہ مسدود کر رکھا تھا۔ میں نے ایک نوعمر لڑکے سے کہا کہ میں اسے کچھ رقم دے دوں گا۔ وہ مجھے وہاں تک پہنچا دے۔ اس نے کہا کہ راستے میں سانپ کا خطرہ ہے اس لئے وہ وہاں تک نہیں جا سکتا۔

میں اللہ کا نام لے کر زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا اور منہ سے شی شی کی آوازیں نکالتا ہوا بمشکل تمام اس کھنڈر تک پہنچا جب میں ڈھلان کے اوپر چڑھا تو معلوم ہوا کہ میں ایک مسجد کی دوسری منزل پر کھڑا ہوں۔ میں جب گھوم کر جنوبی سمت گیا تو ایک احاطے میں چند قبریں نظر آئیں۔ ان میں لوہے کے جنگلے والی قبر سب سے نمایاں تھی۔ اور صرف اسی پر کتبہ نصب تھا۔

---

[1] یہ قبر دراصل میرے فاضل دوست جناب خورشید انصاری فریدآبادی کے جد امجد محمد اعظم پانی پتی کی ہے۔

میں ایک زینے کے راستے نیچے اترا۔ اور احاطۂ قبور میں داخل ہوا۔ برسات کا موسم تھا۔ خودرو جھاڑیوں کی وجہ سے زمین پر پاؤں دھرنا محال تھا۔ میں بادلِ نخواستہ پختہ قبروں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا اور مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوا نواب صاحب کی قبر تک پہنچا۔ یہاں آکر مجھے ہوا کہ وہ لڑکا جان بوجھ کر مجھے یہاں تک نہیں لایا۔ ٹیوب ویل پر کام کرنے والے ملازمین رفعِ حاجت کے لئے یہاں آتے ہیں۔ گھنی جھاڑیوں کی وجہ سے زمین پر بیٹھنا محال ہے۔ اس لئے وہ پختہ تعویذوں پر بیٹھ کر مزارات کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ میرے دل میں ایک ہوک سی اٹھی کہ خواجہ باقی باللہؒ، مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدثؒ کے ممدوح اور "جرگۂ مردانِ دولتِ اسلام" کے سرخیل نواب مرتضٰی خان کی قبر اب کس حال میں ہے۔ یہ اس بزرگ کی قبر ہے جس کے دم قدم سے عہدِ مغلیہ کے کئی مدارس اور خوانق کی رونق قائم تھی۔

نواب موصوف کی قبر کے سرہانے سنگ مرمر کی قدآدم لوح نصب ہے۔ سنگ تراش نے حروف کھودنے کی بجائے ابھار دئیے ہیں۔ اس لئے وہ دور سے پڑھے نہیں جاتے تھے۔ میں نے نواب صاحب کے لئے دعائے مغفرت کی اور ہمت کر کے جنگلے کے اندر کود گیا۔ میں نے بدقت تمام وہ عبارت نقل کر لی۔ وہو ہذا۔

یا اللہ

سبحان الملک الحی الذی لایموت و لایفوت۔ در زمانِ دولت حضرت عرش آشیانی جلال الدین اکبر پادشاہِ غازی شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری بعنایات آں حضرت ممتاز بود و در عہد عدالت نور الدین جہانگیر پادشاہ ابن اکبر پادشاہ بخطاب مرتضٰی خانی سرفراز گردید۔ بتاریخ ۹ جلوس مطابق ۱۰۲۵ ہجری برحمت الٰہی پیوست

مرتضٰی خاں چو بحق واصل شد گشت اقلیم بقا مفتوحش
بہر تاریخ ملائک گفتند باد پُر نور الٰہی رُوحش

شیخ محمد اکرام مرحوم نے یہ عبارت پڑھنے میں چند غلطیاں کی تھیں۔ وہ میں نے درست کر لی ہیں۔ انہوں نے مرحوم فرید الدین اور سید احمد بخاری کے درمیان "ابن" حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح اکبر بادشاہ کو اکبر بادشاہ بنا دیا ہے۔ لوحِ مزار پر مرتضٰی یائے معروف کے ساتھ لکھا ہے۔ انہوں نے یائے مجہول کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے "خانی" کو "خان" لکھا ہے۔ مزید برآں انہوں نے "چو" کو "چون" قلم بند کیا ہے۔[۱]

نواب مرتضٰی خان کا مزار تو کہنے کو "محفوظ" ہے۔ اور محکمہ آثارِ قدیمہ کی حفاظت میں ہے لیکن اس سے زیادہ غیر محفوظ عمارت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ ساداتِ کرام کے اس مقدس قبرستان کو رفعِ حاجت کے لئے مختص کر لیا گیا ہے۔ اور قبروں کے تعویذ غلاظت سے اٹے پڑے ہیں۔ کاش دہلی کے باغیرت مسلمان اس کی حفاظت

۱؎ رود کوثر مطبوعہ لاہور ص ۱۸۹ - ۱۹۶۹ء

اور صفائی کی طرف توجہ دیں (مسلم اوقاف کی مجرمانہ چشم پوشی بھی قابل صد مذمت ہے) اگر سڑک پہ ایک تختی لگا کر مزار کی نشاندہی کر دی جائے تو کوئی بھولا بھٹکا مسلمان راہی وہاں جاکر فاتحہ پڑھ لے۔ اسی بہانے مزار کی صفائی کا انتظام ہو جائے گا۔

اتفاق دیکھئے کہ مجھے اسی سفر کے دوران خدابخش اورنٹیل پبلک لائبریری بانکی پور پٹنہ میں ایک فارسی مخطوطہ مل گیا[1] اس کا عنوان "معارج الکمال" تھا۔ اور اس پر مصنف کا نام اسمٰعیل بن شاہ عالم عبدالعزیز درج تھا۔ فاضل مصنف نواب مرتضیٰ خان کا ملازم تھا۔ اور اس نے یہ کتاب نواب موصوف کے لئے تحریر کی تھی۔ اس کتاب کا موضوع اخلاق ہے لیکن مصنف نے آخری باب میں نواب صاحب کے ذاتی حالات قلم بند کئے ہیں۔ اس باب میں ایسا مواد بھی موجود ہے جو ذخیرۃ الخوانین اور ماثر الامراء میں نہیں ملتا۔ میں نے اس تصنیف کی اہمیت پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ جو ماہنامہ قومی زبان کراچی (مئی ۱۹۸۳ء) میں چھپ چکا ہے۔

نواب مرتضیٰ خان کی قبر کا نشان ملنے سے مجھے جو خوشی ہوئی اس کا اندازہ میرے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میری سولہ سال کی محنت اور تجسس رائیگاں نہیں گیا۔ میں نے اس قبر کا اتہ پتہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، حکیم عبدالحمید، ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کو دیا۔ اور ان سے یہ درخواست کی کہ وہ محکمہ آثار قدیمہ پر دباؤ ڈال کر اس کی حفاظت اور صفائی کا انتظام کریں۔

نواب مرتضیٰ خان ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ اکبر کے آخری عہد حکومت میں جب شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل راجہ بیر بر، خواجہ سلطان، راجہ ٹوڈرمل اور بھگوان داس جیسے بااثر اور دین الٰہی کے حامی امراء اور فضلاء فوت ہوئے تو اس خلا کو پُر کرنے کے لئے مرتضیٰ خان، لالہ بیگ، عبدالرحیم خان خاناں، خان جہاں لودھی، نواب قلیج خان اور میراں صدر جہاں جیسے اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والے امراء آگے بڑھے۔ اکبر کی وفات پر جب ہندو راجپوتوں نے جہانگیر کے بیٹے شہزادہ خسرو کو، جو ایک راجپوت شہزادی مان بائی کے بطن سے تھا، تخت پر بٹھانے کی سازش کی۔ تو اس موقعہ پر نواب مرتضیٰ خان نے ان امراء سے مشورہ کر کے جہانگیر کو اس وعدے پر تخت پر بٹھایا کہ وہ الحاد و بے دینی کا خاتمہ کر کے شریعت کے احکام نافذ کرے گا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی بارہ احکام نافذ کئے جن سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی۔

جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد خسرو نے بغاوت کر دی۔ اور وہ اپنے حمائتیوں کے ساتھ لاہور کی جانب فرار ہو گیا۔ جہانگیر نے نواب مرتضیٰ خان کو اس کے تعاقب میں بھیجا اور خود بھی لاہور کی طرف روانہ ہوا۔
نواب مرتضیٰ خان جب آگرہ سے روانہ ہوتے تو اس وقت خسرو لاہور کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ جب خسرو کو یہ اطلاع ملی کہ نواب موصوف اپنے لشکر سمیت سلطان پور لودھی پہنچ گئے ہیں۔ تو وہ لاہور کا محاصرہ اٹھا

---

[1] مخطوطہ نمبر ۲۰۷۵ فارسی

کہ کابل جانے کے ارادے راوی پار کر گیا۔

نواب مرتضیٰ خان نے اسے دریائے چناب کے کنارے بھیروں وال میں جا لیا۔ وہاں فریقین میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی جس میں نواب صاحب کے بہت سے عزیز و اقارب کام آئے۔ نواب صاحب نے بڑی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خسرو کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔

اسی اثنا میں جہانگیر بھی بھیروں وال پہنچ گیا۔ اس نے اس فتح کی خوشی میں نواب صاحب سے معانقہ کیا اور ان کے خیمے میں رات گذار کر ان کی عزت افزائی کی۔ جہانگیر نے فتح کی خوشی میں وہ گاؤں نواب صاحب کو بخش دیا۔ نواب صاحب کی درخواست پر جہانگیر نے اس کا نام فتح آباد رکھا۔

جہانگیر نے نواب صاحب کے منصب میں اضافہ کر کے انہیں گجرات و کاٹھیاواڑ کا گورنر مقرر کیا۔ انہوں نے احمد آباد میں ایک محلہ آباد کیا جو بخارا کے نام سے موسوم ہوا۔ ان کی ہمت اور کوشش سے احمد آباد میں ان کے ہم جدّ حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم کی درگاہیں آباد ہوگئیں۔ نواب صاحب نے احمد آباد میں قیام کے دوران بیس ہزار افراد فوج میں بھرتی کئے۔ اور گجرات کے نظم و نسق کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ان کے حسن انتظام سے اس علاقے میں امن و امان قائم ہو گیا۔

پانچ سال بعد ۱۶۱۰ء میں نواب صاحب کا تبادلہ لاہور ہو گیا۔ یہاں آ کر انہوں نے اپنے لئے ایک حویلی تیار کرائی اور حویلی کے صحن میں ایک مسجد بنوائی جس میں موصوف نماز با جماعت ادا کرتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں مسجد کی تعمیر اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے پر ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کیا۔

نواب صاحب نے لاہور میں ایک باغ لگایا جو بعد میں نواب وزیر خان کے تصرف میں آ گیا۔ اس باغ میں آج کل عجائب گھر اور پنجاب پبلک لائبریری کی شاندار عمارتیں کھڑی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے عوام کی سہولت کے لیے ایک حمام بھی بنوایا تھا جس کا اب سراغ بھی نہیں ملتا۔

نواب مرتضیٰ خان نے جہانگیر کے حکم سے ۱۶۱۶ء میں کانگڑہ پر چڑھائی کی۔ اس مہم کے دوران موصوف پٹھانکوٹ میں مقیم تھے کہ انہیں پیغام اجل آ پہنچا۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت دہلی لے جا کر ان کے خاندانی قبرستان میں دفن کی گئی۔

نواب صاحب اولاد نرینہ سے محروم رہے۔ انہوں نے صدہا یتامیٰ کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی۔ ان کی سرکار سے یتامیٰ اور بیوگان کے وظیفے مقرر تھے۔ انہوں نے جو کچھ کمایا راہِ خدا میں لٹا دیا۔ ان کی وفات پر ان کے خزانے سے صرف ایک ہزار اشرفیاں نکلیں۔ اہل نظر نے "داد، خورد، برد" سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے:

۱۰   ۵   ۲۵

اشتہار عام

میونسپل کمیٹی مردان اپنے علاقہ کے ذیل سڑکوں۔ محلوں۔ گلی کوچوں کے نام جو کہ غیر مسلموں کے نام سے موسوم ہیں یا ناشائستہ ہیں، تبدیل کرانا چاہتی ہے۔

لہذا قرارداد نمبر ۱۰ پاس شدہ عام اجلاس مورخہ ۳۰-۵-۸۱ کی روشنی میں عوام الناس سے استدعا کی جاتی ہے کہ اپنے علاقہ کے ان گذرگاہوں کے لئے درست شائستہ اور موزوں نام تجویز کرکے مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۸۴ء تک دفتر بلدیہ مردان کو ارسال فرمائیں۔

۱۔ کس کورونہ	۲۔ سکندری کورونہ	۳۔ بجٹ گنج	۴۔ ہندو سونوان کورونہ
۵۔ رام باغ	۶۔ باغ رام	۷۔ شام گنج	۸۔ منگل باغ
۹۔ نواب علی رونا	۱۰۔ محلہ فرمان علی	۱۱۔ گرلز سکول سٹریٹ	۱۲۔ محلہ نواب علی
۱۳۔ محلہ آتمارام	۱۴۔ محلہ ستارام	۱۵۔ مکھی محلہ	۱۶۔ دومیلی محلہ
۱۷۔ جوٹیا محلہ	۱۸۔ بھٹے کورونہ	۱۹۔ ڈھنڈ کورونہ	۲۰۔ ڈاگر سیرے
۲۱۔ محلہ گنگا رام	۲۲۔ متھامل محلہ	۲۳۔ کانشی رام محلہ	۲۴۔ ڈاگئی محلہ
۲۵۔ لنڈاکے	۲۶۔ محلہ غلاماں	۲۷۔ غلام دستہ	۲۸۔ چچھی محلہ
۲۹۔ پرانا بازار سوتے بازار	۳۰۔ طور گنج	۳۱۔ ہندو کورونہ	۳۲۔ غلئے لگودر
۳۳۔ ملیانی کورونہ	۳۴۔ محلہ ڈگر	۳۵۔ خان کوٹھے	۳۶۔ ڈھیرانے کورونہ
۳۷۔ سکندر کموڑ	۳۸۔ کوچہ چھپاراں	۳۹۔ کوچہ باغواناں	۴۰۔ کوچہ گڈبنو
۴۱۔ سیرے کورونہ	۴۲۔ منزکندے	۴۳۔ کوزکندے	۴۴۔ محلہ صوبیداراں
۴۵۔ خیبو بغداد	۴۶ فقیر بن روڈ		

المشتہر

اکرام اللہ شاہد

چیئرمین میونسپل کمیٹی۔ مردان

INF (P) 982